اختر راہی

علمائے برصغیر اور مطالعۂ مسیحیت

ابوالحامد منشی حسن بن علی

۱۸۱۹ء میں وادیٔ کشمیر افغان حکمرانوں کے اقتدار سے نکل کر مہاراجا رنجیت سنگھ کی ریاست کا حصّہ بنی۔ اس سے پہلے ۱۸۰۹ء کے لگ بھگ جموّں کے ڈوگرہ راجا کشورا سنگھ نے "لاہور دربار" کی بالادستی اُس وقت تسلیم کر لی تھی جب اُس کے بیٹے گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ، مہاراجا رنجیت سنگھ کی ملازمت میں آئے تھے، تاہم مقامی خلفشار اور مزاحمت کے باعث ۱۸۲۰ء سے پہلے جموّں میں "لاہور دربار" کا سکّہ اقتدار نہ چل سکا۔ دو سال بعد جب کشورا سنگھ فوت ہوا تو جموّں، پونچھ اور رام نگر کے علاقے مہاراجا رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ اور اُس کے بھائیوں دھیان سنگھ اور سچیت سنگھ کو بطور جاگیر دے دیے۔ "لاہور دربار" کے زیرِ سایہ گلاب سنگھ جموّں کے سیاہ و سفید کا مالک بنا اور اُس کی فوجوں نے ۱۸۳۴ء میں لداخ پر قبضہ کر لیا۔ مہاراجا رنجیت سنگھ کی وفات (۲۷ جون ۱۸۳۹ء) کے بعد ۱۸۴۰ء میں گلاب سنگھ بلتستان کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے میں کامیاب ہوا۔

مہاراجا رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد جب "لاہور دربار" سازشوں، قتل و غارت اور ذاتی مفادات کی کشمکش کا اڈہ بنا ہوا تھا، گلاب سنگھ کی شکل میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک "ہمدرد" مل گیا۔ ۴۶-۱۸۴۵ء کی پہلی سکھ لڑائی میں گلاب سنگھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف "لاہور دربار" کا ساتھ دینے کے بجائے غیر جانبداری اختیار کی۔ اس سے پہلے وہ ۱۸۴۱ء میں نہ صرف کمپنی کی فوجوں کو افغانستان پر حملے کی خاطر پنجاب سے گزرنے کی اجازت دے چکا تھا بلکہ اس نے کمپنی کے دستوں کو سامانِ رسد مہیّا کر کے اپنی "دوستی" کا اظہار کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ پہلی افغان جنگ (۱۸۳۸ء) میں رنجیت سنگھ نے کمپنی کی افواج کو پنجاب سے گزرنے کی اجازت نہ دی تھی اور کمپنی کو مجبوراً سندھ کا نسبتاً طویل راستہ اختیار کرنا پڑا تھا۔ گلاب سنگھ ایک طرف کمپنی کے قریب تھا اور دوسری طرف "لاہور دربار" میں اُس کا ستارہ عروج پر تھا۔ مہارانی جنداں نے جنوری ۱۸۴۶ء میں اُسے "لاہور دربار" کا وزیراعظم نامزد کیا۔ کمپنی نے جو "لاہور دربار" کی قوّت توڑنے کے درپے تھی، گلاب سنگھ سے مذاکرات کیے اور ۹ مارچ اور ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو بالترتیب "معاہدۂ لاہور" اور "معاہدۂ امرتسر" پر دستخط ہوئے۔

"معاہدۂ لاہور" کے مطابق "لاہور دربار" کو ایک کروڑ روپے کمپنی کی بطور تاوان ادا کرنے تھے، مگر

"لاہور دربار" نے رقم ادا نہ کر سکنے کے سبب دریائے بیاس اور دریائے سندھ کے درمیان پہاڑی علاقے، کشمیر اور ہزارہ سے دستبرداری کا فیصلہ کیا، مگر لارڈ ہارڈنگ (گورنر جنرل ایسٹ انڈیا کمپنی) کے لیے علاقے سے زیادہ رقم کی اہمیت تھی، چنانچہ گلاب سنگھ اور کمپنی کے مابین طے پانے والے "معاہدۂ امرتسر" میں کشمیر اور ملحقہ علاقے ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپوں کے عوض گلاب سنگھ اور نسل در نسل اُس کے جانشینوں کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے[1]۔ اور بعد ازاں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وادیٔ کشمیر پر گلاب سنگھ کے قبضے میں پورا پورا تعاون کیا، اور گلاب سنگھ "مہاراجا جموں و کشمیر" کہلانے لگا۔

"معاہدۂ امرتسر" کے تین سال بعد دوسری سکھ لڑائی ۴۹ء کی آڑ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنجاب کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا۔ مہاراجا گلاب سنگھ کی "ریاست جموں و کشمیر" اب کمپنی کے مقبوضات سے کٹا ہوا الگ تھلگ علاقہ نہ تھا۔ کمپنی کے کارپردازوں، سیاحوں اور مسیحی منادوں کے لیے پنجاب کے راستے کشمیر جانا آسان ہو گیا تھا۔

مہاراجا گلاب سنگھ کی ریاست جموں و کشمیر کا رقبہ تو برطانیہ کے رقبے کے برابر تھا مگر اس کا تین چوتھائی حصّہ بلند و بالا کوہستانی سلسلوں اور برف پوش علاقوں پر مشتمل تھا۔ صرف ایک چوتھائی حصّہ آباد تھا۔ آبادی کی غالب اکثریت یعنی ۸۰ فیصد مسلمانوں پر مشتمل تھی جو وادیٔ کشمیر میں اوسط آبادی سے زیادہ (۸۶ فیصد تھے) البتہ پونچھ میں ۵۹ فیصد تھے۔ لدّاخ کے دور دراز حصّے میں بدھ مت کے ماننے والوں کی اکثریت رہی ہے۔ سکھوں کے دور اقتدار میں جن سیاحوں اور مہم جوؤں نے وادیٔ کشمیر اور ملحقہ علاقوں کا سفر کیا، وہ اس خطّے کی خوبصورتی، لوگوں کی سادگی، مفلوک الحالی اور کسمپرسی سے متاثر ہوئے۔ مسیحی یورپی سیاح جو مذہبی رجحان کے مالک تھے، اُنھوں نے مسیحیت کی تبلیغ کے لیے حالات کو سازگار پایا۔ انیسویں صدی کے اوّلین ربع میں ایک ماہر امراض حیوانات ولیم مُور کرافٹ کو کشمیر کے سفر کا موقع ملا تو اُس نے اپنے سفر نامے میں بالخصوص لکھا کہ[3] "مجھے پورا پورا یقین ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا دوسرا خطہ نہیں جہاں انجیلی مذہب کی کامیابی کا امکان کشمیر سے زیادہ ہو۔"

مذکورہ پس منظر میں چرچ مشنری سوسائٹی کے پادری رابرٹ کلارک نے اپریل - ستمبر ۱۸۵۴ء میں تین ہندوستانی مسیحیوں اور ایک ریٹائرڈ انگریز کرنل مارٹن کے ساتھ کشمیر، لدّاخ، سکردو اور ملحقہ علاقوں کا دورہ کیا۔ اس دورے کا مقصد بالفاظ رابرٹ کلارک[4] "بالائی علاقوں میں انجیل کی منادی تھا۔" ثانوی مقصد یہ دیکھنا تھا کہ "ان علاقوں میں کس حد تک تبشیری کام کیا جانا ہے۔ یہ کام کس حد تک اور کن حالات میں انجام دیا جا سکتا ہے اور انسانی جدوجہد کی کامیابی کے زیادہ سے زیادہ امکانات کیا ہیں۔"

مہاراجا گلاب سنگھ نے پادری رابرٹ کلارک کو اپنی قلمرو میں "دلی طور پر خوش آمدید کہا" اور پادری صاحب نے کشمیر کے بارے میں پہلا تاثر یہی قائم کیا کہ اگرچہ یہ علاقے براہ راست برطانوی

اقتدار میں نہیں ہیں مگر یہاں انجیل کی منادی کرنے اور مسیحیت کا اثر و رسوخ پھیلانے میں چنداں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ یہاں کی بعض زبانوں میں لٹریچر پہلے سے موجود ہے اور یہ زبانیں جاننے والے مسیحی مناد میدان عمل میں آسکتے ہیں۔

مہاراجا گلاب سنگھ پادریوں کی تبشیری کوششوں کے خلاف نہ تھا[5]۔ اُس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ[6] "لوگ پہلے ہی اتنے خراب ہیں کہ پادری اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ پادری لوگوں کی قسمت بدلنے کے لیے کیا کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ تاہم اِس سے پہلے کہ رابرٹ کلارک یا چرچ مشنری سوسائٹی کے کارندے ریاست جموں و کشمیر میں کام کا آغاز کرتے، ۱۸۵۷ء میں مہاراجا گلاب سنگھ کا انتقال ہوگیا اور مہاراجا رنبیر سنگھ گدی نشین ہوا۔

پادری رابرٹ کلارک نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کشمیر کا دوسرا سفر ۱۸۶۲ء کے موسم گرما میں کیا۔ پہلے سفر کی طرح اُنھوں نے جابجا مسیحیت کا پیغام پیش کیا مگر لوگوں نے سننے سے انکار کر دیا[7]۔ "کہیں تو اُنھوں نے منادی کے دوران میں شور مچایا، کہیں بے تعلق رہے اور کہیں اُنھوں نے اپنے کان بند کر لیے"۔ البتہ کشمیر سے واپسی پر پادری صاحب نے مری میں وعظ کیا اور کشمیر میں تبشیری کام کی اہمیت پر زور دیا۔ اُن کا یہ وعظ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر رابرٹ مونٹ گمری کے ایماء پر چھاپا گیا اور چرچ مشنری سوسائٹی کو کشمیر میں کام شروع کرنے کے لیے عرض داشت روانہ کی گئی جس پر پہلے دستخط پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر کے تھے۔

۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء میں پادری رابرٹ کلارک نے کشمیر کے مزید دورے کیے اور مہاراجا رنبیر سنگھ کی مرضی کے خلاف، انگریز ریذیڈنٹ کے تعاون سے بالآخر مشن قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مشنری ذرائع کے مطابق مہاراجا رنبیر سنگھ کی مخالفت کے اسباب روحانی یا سماجی نہ تھے، بلکہ سیاسی تھے[8]۔ بلاشبہ سیاسی اسباب موجود تھے، مگر مہاراجا رنبیر سنگھ کی مذہبیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا مہاراجا دل و جان سے سناتن دھرمی تھا اور ریاست میں ہندومت کا محافظ تھا۔ مہاراجا نے ہندومت کے فروغ اور سنسکرت زبان سے گہری دلچسپی لی۔ اُس نے کئی مندر بنوائے اور پاٹ شالے قائم کیے۔ جموں میں مہاراجا رنبیر سنگھ کا بنوایا ہوا رگھوناتھ مندر اور اِس کے ساتھ ملحق سنسکرت پاٹ شالہ کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔

رنبیر سنگھ نے جموں اور کشمیر میں واقع تمام ہندو مرکزوں، مندروں اور تیرتھوں کا ایک جائزہ مرتب کروایا تھا اور اِن مقامات کے تحفظ و تنظیم کے لیے ایک وقف قائم کیا تھا (۱۸۸۴ء) جس کے قواعد و ضوابط فارسی میں "آئین دھرمارتھ" کے نام سے مدوّن کیے گئے تھے۔ بنارس سے متعدد جوگیوں اور پنڈتوں کو کشمیر بلایا گیا تاکہ وہ ہندو آبادی کے درمیان تبلیغ و تلقین کریں۔

مہاراجا رنبیر سنگھ کے دیوان (وزیر اعظم) کرپارام (م ۱۸۷۶ء) کی تالیفات میں جہاں "گلاب

نامہ"، "تاریخِ کشمیر" اور "تحقیق تناسخ" شامل ہیں، وہیں ایک کتاب "ردِ اسلام" ہے۔ کِرپارام جیسے ایک کٹر ہندو کا دیوان ہونا بھی مہاراجا کی مذہبیت کو ظاہر کرتا ہے۔

"چرچ مشنری سوسائٹی" کے مناّدوں نے سری نگر اور گردونواح میں اپنا پیغام پھیلانے کے لیے وہی طریقے اختیار کیے جو دُنیا کے دوسرے خطّوں اور برصغیر کے شہروں میں اپنائے گئے تھے۔ پہلے ایک ہسپتال قائم کیا گیا۔ بعد میں مہاراجا رنبیر سنگھ کے جانشین مہاراجا پرتاپ سنگھ کے عہد میں تعلیمی کام شروع کیا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں پادری نولز نے سکول قائم کیا جسے بعد ازاں پادری ٹینڈل بِسکو نے پروان چڑھایا۔ پادریوں نے سری نگر اور گردونواح میں جدید تعلیم متعارف کرانے میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اہلِ کشمیر بجاطور پر اُن کی تعریف کرتے ہیں[۹]۔

ہسپتال میں مبشّر ڈاکٹر اور مریض کے درمیان براہ راست رابطے کے ساتھ مسیحی پیغام پہنچانے کا طریقہ یہ تھا کہ ہسپتال میں بغرضِ علاج آنے والوں کو ایک ہال میں جمع کیا جاتا تھا اور طبی مشورہ دینے سے پہلے ڈاکٹر سب کو مخاطب کرتے ہوئے عہد نامۂ جدید کا کوئی موزوں اقتباس پڑھتا اور مقامی زبان میں اس کی تشریح و توضیح کرتا تھا۔ ضرورت مند مریضوں اور اُن کے تیماردار اعزّہ کی جانب سے یہ وعظ خاموشی سے سن لیا جاتا تھا۔ وعظ کے آخر میں یسوع مسیح کے نام پر دعا ہوتی اور حاضرین اپنے "محسن ڈاکٹر" کا خیال رکھتے ہوئے زور سے "آمین" کہتے تھے[۱۰] جو بعض مریضوں کے نزدیک ڈاکٹر کی خصوصی توجہ حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا۔

سری نگر کے بعد جمّوں میں ۱۸۸۸ء میں چرچ آف سکاٹ لینڈ نے کام کا آغاز کیا۔ جمّوں شہر اور سچیت گڑھ میں اسکول کھولے گئے۔

بیسویں صدی میں ریاست جموں و کشمیر میں مزید مشنری اداروں نے کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۰۵ء میں "سکینڈے نیوین الائنس مشن" کے ایف - گستافسن نے فارسی رسم الخط میں بلتی گرامر مرتب کی۔ متیٰ، لوقا، یوحنا اور "رسولوں کے اعمال" کے بلتی تراجم شائع کیے۔ مختصر عرصے کے لیے سویڈیش مشن نے وادی شگر میں کام کیا۔ "سنٹرل ایشیا مشن" کے کارکن بھی اِس علاقے میں آتے جاتے رہے مگر شدید موسمی حالات اور بیماریوں نے مبشّرین کو قدم نہ جمانے دیے۔

لداخ میں ۱۹۱۶ء میں Moravian مشن قائم ہوا۔

مسیحی مناّدوں کو یہ شکوہ رہا ہے کہ ریاست جمّوں و کشمیر میں آزادئ مذہب نہ تھی اور تبدیلئ مذہب کے خلاف سماجی اور سیاسی دباؤ استعمال کیا جاتا تھا۔ ۱۸۶۴ء سے لے کر ۱۹۰۱ء تک ۳۷ برسوں میں ریاست جمّوں و کشمیر میں تبشیری کام کا نتیجہ ۲۰۲ مسیحیوں کی شکل میں نمودار ہوا[۱۱]۔ اشاعتِ مسیحیت

میں مبشّرین کو زیادہ کامیابی جموّں میں ہوئی جہاں ہندوؤں کے نچلے طبقوں کی آبادی تھی۔

بیسویں صدی کے آغاز تک ریاست جموّں و کشمیر میں شرح خواندگی ۲ فیصد سے زیادہ نہ تھی اور مسلمان آبادی میں شرح خواندگی کا تناسب ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروکاروں سے کہیں کم تھا، مگر وہ ناخواندگی، غربت، قحط زدگی اور بیماریوں کے باوجود اپنی دینی روایات کو گلے سے لگائے رہے۔ مسیحی مبشّرین کو مسلمان آبادی اور علمائے کرام سے زیادہ شکوہ رہا۔ وہ اہلِ علم جنھوں نے آغاز میں مبشّرین کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے مسیحیت کا مطالعہ کیا اور اپنے مطالعے کے نتائج کو حوالۂ قلم کیا، اُن میں سے ایک منشی ابوالحامد حسن بن علی ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر سروری نے ابوالحامد حسن بن علی کے احوال قلم بند کیے ہیں [۱۲]۔ ان کی تلخیص ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

ابوالحامد منشی حسن بن علی کے جدّ امجد محمد بٹ شیخوپورہ تحصیل بڈگام کے رہنے والے تھے اور گاؤں کے زمیندار تھے۔ سکھوں کے دورِ اقتدار (۱۸۱۹ء - ۱۸۴۶ء) میں وہ اپنا گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیے گئے اور سری نگر کے محلہ نادپورہ میں آکر آباد ہوئے، جہاں یہ خاندان اب تک رہائش پذیر ہے۔

سری نگر میں محمد بٹ نے گزر اوقات کے لیے شال بافی کا کاروبار شروع کیا جو منفعت بخش ثابت ہوا۔ محمد بٹ کی رحلت کے بعد اُن کے صاحبزادے اور ابوالحامد منشی حسن بن علی کے والد علی محمد کا کاروبار اس قدر وسیع ہو گیا کہ وہ اپنے وقت کے متموّل لوگوں میں شمار کیے جانے لگے۔ دولت و ثروت کا نتیجہ تھا کہ کربلا کا سفر کیا۔ واپسی پر علی محمد بٹ کی جگہ علی محمد کربلائی کہلانے لگے۔

ابوالحامد حسن ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی۔ اپنے شوق سے اُردو، سنسکرت اور انگریزی زبانیں سیکھیں۔ علی محمد کربلائی نے اپنے بیٹے کو بھی کاروبار میں لگانے کی کوشش کی مگر اُن کی طبیعت کاروبار سے زیادہ تعلیم و تدریس میں لگتی تھی۔ ۱۸۶۴ء میں "چرچ مشنری سوسائٹی" نے سری نگر میں ہسپتال قائم کیا تو ڈاکٹر مبشّرین سے اُن کا رابطہ ہو گیا۔ روایت کے مطابق ان لوگوں سے ابوالحامد حسن نے انگریزی سیکھی اور اُنھیں کشمیری زبان سیکھنے اور بولنے میں مدد دی۔

مبشّرین سے قربت کا نتیجہ تھا کہ ابوالحامد حسن مشن سکول سے بطور استاد وابستہ ہو گئے اور انگریزی لباس پہننا شروع کر دیا۔ سادہ دل مسلمانوں میں وہ "کرستان" مشہور ہو گئے، مگر وہ اپنے مسیحی مبشّرین دوستوں سے بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ اپنی خود نوشت میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ

در علم کلام و مباحثہ با نصاریٰ ہم زمانے صرف کردم و در دینیات
مضامین متعددہ در اخبار و رسائل نوشتہ ام

اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں۔

• میزان التحقیق - پادری فانڈر کی "میزان الحق" اور برصغیر کے اُردو لکھنے والے پادریوں کی کتابوں میں اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب ہے۔ پہلے یہ کتاب کشمیری زبان میں لکھی گئی، بعد میں مؤلف نے خود ہی اُردو میں ترجمہ کیا۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

• عصمت الانبیاء - یہ کتابچہ "نبی معصوم" کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ "نبی معصوم" میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ شفاعت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کر سکتے ہیں جو معصوم نبی ہیں۔ بعض دوسرے انبیاء کے نعوذ باللہ معصوم نہ ہونے کے بارے میں قرآن سے استدلال کی کوشش کی گئی تھی۔ ابوالحامد منشی حسن نے انجیل اور دوسرے صحائف کی مدد سے "عصمت الانبیاء" پر روشنی ڈالی ہے۔

• آئینہ بینت (فارسی)

• ترجمہ "جامع عباسی" (کشمیری)

• ترجمہ "توبتہ النصوح" (کشمیری)

• واقعات کشمیر - ابوالحامد کو ڈائری لکھنے کا شوق تھا جسے اُنہوں نے "واقعات کشمیر" کا نام دیا ہے۔ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تک ۲۴ سال کی یادداشتیں محفوظ ہیں۔ "واقعات کشمیر" میں بہت سے ایسے واقعات درج ہیں جو کہیں اور دستیاب نہیں اور یہ واقعات منشی صاحب کی ذاتی زندگی پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

"واقعات کشمیر" کی ایک جلد میں اُنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا تذکرہ کیا ہے۔ مرزا صاحب کے عقائد اور دعاویٰ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے خطوط درج کیے ہیں جو اُنہوں نے مرزا صاحب کو ارسال کیے تھے۔

حواشی

۱۔ "معاہدۂ امرتسر" کے فارسی متن کے لیے دیکھیے: دیوان کرپارام، گلاب نامہ، سری نگر: تحفۂ کشمیر پریس (۱۸۷۵ء)، ص ۳۵۲-۳۵۴ سکھ دیو سنگھ چرک نے "گلاب نامہ" کا انگریزی ترجمہ کیا ہے جو Gulabnama of Diwan Kirpa Ram: A History of Maharaja Gulab Singh of Jammu and kashmir کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ "دوسری سکھ لڑائی" (۱۸۴۸-۴۹ء) کی حقیقت کے لیے دیکھیے: Jagmohan Mahajan, Annexation of the Punjab: A Historical Revision, Delhi (1990)

3. William Moorcroft and g. T rebeck, travels in the Himalayan Provinces of Hindustan. ... form 1819 to 1825, London (1841) Vol. 2, p. 129.

4. Henry Martyn Clark, Robert Clark of the Panjab: Pioneer and Missionary Statesman, New York; Fleming H. Revell Company (1907), pp. 103-104.

۵- پادری رابرٹ کلارک اور اُس کے ساتھیوں کی مہاراجا گلاب سنگھ سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کے لیے دیکھیے: ہنری رابرٹ کلارک، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۸-۱۸۷

6. Dr. G.M.D Sufi, Kashir. A History of Kashmir, New Delhi: Light and Life Publishers (1974), p. 782.

۷- ہنری رابرٹ کلارک، حوالہ مذکورہ، ص ۱۸۷

۸- ایضاً، ص ۱۹۱، رابرٹ کلارک کے سوانح نگار نے مہاراجا کشمیر کو مذہباً سکھ خیال کیا ہے اور رنبیر سنگھ کو "گلاب سنگھ" لکھا ہے، حالانکہ مہاراجا گلاب سنگھ ۱۸۵۷ء میں فوت ہوچکا تھا۔

۹- دیکھیے: امرناتھ مٹو کا مقالہ "سی - ای - ٹینڈل بسکو"۔ محمد احمد اندرابی کی مرتبہ کتاب "مشاہیر کشمیر" [میرپور: ویری ناگ پبلیشرز (۱۹۹۱ء)] میں، ص ۱۰۵-۱۱۲

چرچ مشنری سوسائٹی کے تعلیمی کام کے لیے دیکھیے:

S. Z. Ahmad, "The church Missionary Society in Kashmir", in Brian Holmes (ed.), Educational Policy and the Mission Schools, London: Routledge and kegan Paul (1967), pp. 151-174.

10. Alexander Mcleish, the Frontier Peoples of India, Delhi: Mittal Publications 1984), pp. 48.

11. Walter R. Lawrence, Provincial Gazetters of kashmir and Jammu Delhi: Rima Publishing House (1985), p. 40.

۱۲- عبدالقادر سروری، کشمیر میں اُردو (ترتیب: محمد یوسف ٹینگ)، سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز (۱۹۸۲ء) حصّہ دوم